یورپ میں اسلام

ماضی، حال اور مستقبل

سید عرفان منور گیلانی ○

یورپ اور اسلام کا تعلق اُتنا ہی قدیم ہے جتنا کہ اسلام کی تاریخ۔ حجاز سے اُٹھنے والی طوفانی تحریک نے یورپ کے چپے چپے پر اپنے نقوش ثبت کیے ہیں اور آج ۱۴۰۰ سال بعد اسلام اور مسلمان دونوں یورپ کے قلب میں پھل پھول رہے ہیں۔ مغربی یورپ ہی میں مسلمانوں کی تعداد کم و بیش ڈیڑھ کروڑ ہے اور تقریباً اِن تمام ممالک میں اسلام، عیسائیت کے بعد دوسرا بڑا مذہب ہے۔ اس آبادی کا بیشتر حصہ اُن تارکینِ وطن مسلمانوں اور اُن کی نسلوں پر مشتمل ہے جو گذشتہ صدی کے پیچیدہ معاشی و معاشرتی حالات کے باعث اپنے ممالک چھوڑ کر یورپ منتقل ہوئے۔ لیکن وقت کے ساتھ اب اس آبادی میں نومسلموں کی تعداد بھی متواتر بڑھتی چلی جا رہی ہے۔

یورپ میں مسلمانوں کی اس کثرتِ تعداد سے اُمید کی جا سکتی تھی کہ اسلام اور مغرب کے باہمی تعلقات نفرت و عداوت کے بجائے محبت و الفت پر استوار ہوتے لیکن ایسا نہ ہوا، اور مستقبل قریب میں بھی بظاہر ایسا ہوتا ہوا نظر نہیں آتا۔ اس کی چند وجوہات ہیں:

۱- مسلمانوں کے ساتھ مغربی دنیا کی کش مکش کی طویل تاریخ، بالخصوص صلیبی جنگیں، ۱۰۹۹ء میں صلیبیوں کے ہاتھوں مسلمانوں کا یروشلم میں قتل عام، ۱۴۵۳ء میں قسطنطنیہ کا مسلمانوں کے ہاتھوں فتح ہونا، ۱۴۹۲ء میں سرزمینِ اندلس سے مسلمانوں کا خروج وغیرہ جانبین میں باہمی دشمنی کو فروغ دینے کا باعث رہے ہیں۔

۲- مسلم معاشی و سیاسی قوت کا زوال اور بالآخر مغربی استعمار کا مسلم دنیا پر غالب آ جانا جس کے نتیجے

○ تحقیق کار، شعبہ بین الاقوامی ترقیاتی مطالعات، راسکلڈ (Roskilde) یونی ورسٹی سنٹر، ڈنمارک

میں مغرب' بالخصوص یورپ کا' اپنے آپ کو دوسروں سے افضل و برتر سمجھنا' استشراق (orientalism) اور مسلمانوں کا دو کیفیات سے دوچار ہونا: ایک احساسِ کمتری' جس نے مسلمانوں میں اپنی تہذیب وتمدن کے حوالے سے ایک معذرت خواہانہ رویے کو جنم دیا' اور دوسرے مغرب سے منسوب ہر چیز کو کفر تصور کرنا' جس کے باعث خود مسلمانوں کے مزاج کا عدل کے بجائے غلو' رجعت پسندی اور تعصب کی طرف مائل ہونا' جو اجتہاد کی صفت سے محروم ہے۔

۳- مغرب کا اپنے فکری طلسم کو نہ توڑ پانا اور اپنے متکبرانہ مزاج کے موافق اسلام کی ایسی تحقیر آمیز تصویرکشی کر کے ذرائع ابلاغ کے ذریعے پھیلانا' جس سے اسلام کے خلاف غلط فہمیاں عام ہوں اور مسلمانوں کا تشخص مجروح ہو۔

۴- مسلمانوں کا بذاتِ خود اسلام کا صحیح فہم وشعور رکھنا' نہ اُس کو بطور دین تسلیم کرنا اور نہ مسلم اکثریتی معاشروں میں اسے عملاً نافذ کرنا' اس پر مستزاد مسلمانوں کا بغیر سیاسی اقتدار کے' بحیثیت اقلیت غیرمسلم اقوام وممالک میں قیام پذیر ہونے کے حوالے سے ناتجربہ کار ہونا اور نتیجتاً اسلام کا درست اطلاق نہ کر پانا۔

۵- مسلمانوں کا مغربی افکار ونظریات کو نہ سمجھ پانا' حکومتی پالیسیوں اور عوامی جذبات میں فرق نہ کرنا اور جذبۂ محبت واصلاح اور وللہ المشرق والمغرب سے بے گانہ ہونا۔

مختصراً یہ وہ پانچ بنیادی وجوہات ہیں جو یورپ اور بقیہ مغربی دنیا میں مسلمانوں کی بقا اور اسلام کے فروغ میں سدِراہ ہیں۔

مسلمانوں کے حالات

اگرچہ یورپ میں تارکینِ وطن آبادیوں کے حوالے سے مسائل کا آغاز اُن کی آمد کے دن ہی سے ہو گیا تھا' تاہم ۱۱ستمبر کے واقعے نے مسئلے کی نوعیت کو یکسر تبدیل کر دیا ہے۔ اس سے قبل یورپ کی مقامی آبادیاں' ذرائع ابلاغ اور حکومتیں' صرف وضع قطع' زبان اور رسم ورواج کے اُس ظاہری فرق کو دیکھتے تھے جو تارکینِ وطن اور مقامی آبادیوں کے مابین نظر آتا تھا۔ اسلام کا نام لیتے ہوئے ایک حجاب تھا اور بلاواسطہ نقد وتنقید کرتے ہوئے محتاط رہا جاتا تھا۔ اصل موضوع یک جہتی (integration) میں حائل عناصر ہوتے تھے جن میں سے ایک اسلام بھی تھا۔

۱۱ستمبر ۲۰۰۱ء کے بعد مسئلہ تارکینِ وطن کی یک جہتی (integration) یا جذب ہونے (assimilation) کا نہیں رہا بلکہ اب اصل ایشو ہی اسلام اور مغربی دنیا کا باہمی تعلق ہے۔ تاریخی اعتبار

سے یہ کوئی نئی بات نہیں البتہ زمانہ حاضر سے پہلے یہ تعلق مشرق ومغرب کی جغرافیائی حدود میں بآسانی تقسیم کر دیا جاتا تھا مگر اب یورپ میں مسلم آبادی کو نظرانداز کرنا ممکن نہیں رہا۔ اگر یورپ میں راے عامہ کا ایک موثر حصہ افغانستان وعراق کے ساتھ جنگ کے خلاف ہے یا مغربی عوام کی ہمدردیاں اسرائیل کے بجاے فلسطینیوں کے ساتھ ہیں تو اس میں یورپی ممالک میں مسلمانوں کی موجودگی کا بڑا عمل دخل ہے۔ بلادِ اسلامی کو مغلوب ومحکوم رکھنے کا مسئلہ محض بین الاقوامی سیاست سے متعلق نہیں رہا بلکہ یورپ کی داخلی سیاست اب اس بحث سے متاثر ہے۔ یورپ کے دائیں بازو کی سیاسی جماعتیں جن پر پہلے سرد جنگ کا سایہ تھا، کمیونزم کے زوال کے بعد اُن کی دشمنی کا ہدف اسلام ٹھیرا جس کی عالمی قوت اور انقلابی نظریات سے وہ خوف زدہ تھے۔ ان کا اندازہ ہے کہ وقت کے ساتھ مسلمان مغربی تہذیب وثقافت کے لیے خطرے کا باعث ہوں گے۔ انقلاب ایران اور الجزائر، ترکی وسوڈان سمیت بوسنیا میں اسلام پسند قوتوں کے مقتدر ہونے نے اس تاثر کو مزید مستحکم کیا۔ اسی لیے تارکان وطن آبادیوں کی آڑ میں یورپ کی دائیں بازو کی قوتوں نے ایک زبردست تحریک کا آغاز کیا، جس کی لپیٹ میں آج پورا یورپ آچکا ہے۔

۹۰ کے عشرے میں سارا یورپ آہستہ آہستہ Islamophobia کے جال میں آتا گیا۔ دائیں بازو کی قوتوں نے اس جال کو بننے کی ابتدا دو محاذوں سے کی۔ ایک طرف تو انھوں نے بے روزگاری ومعاشی ابتری کو تارکین وطن کی موجودگی سے منسوب کیا، تو دوسری جانب اسلام کی نظریاتی بنیادوں پر کاری ضرب لگائی۔ یورپ کی روایتی سیاسی جماعتیں سرد جنگ کے خاتمے پر اپنی تعمیرنو اور مستقبل کی منصوبہ بندی میں مشغول تھیں۔ دائیں بازو کی جماعتوں نے اس صورت حال کا بھرپور فائدہ اُٹھایا اور فوکویاما اور ہن ٹنگٹن جیسے امریکی مفکرین سمیت امریکی حکومت کی بین الاقوامی پالیسی نے اِن لوگوں کو مواد وسازگار ماحول فراہم کیا جس کے نتیجے میں ان کی سیاسی قوت اور اثر ورسوخ میں بیش بہا اضافہ ہوا۔ سارے یورپ میں ایک لہر دوڑ گئی۔ عوام بے روزگاری اور معاشی حالات سے بدظن تھے، انھوں نے اس معاشی تنگ دستی کی اصل تشخیص، یعنی ربا پر قائم معیشت کے بجاے جو سرمایے کی غیرمنصفانہ تقسیم پر مبنی ہے، دائیں بازو کی قوتوں کے اس تجزیے کو ترجیح دی کہ غیرملکیوں نے ملازمتوں پر قبضہ کر رکھا ہے جس کی وجہ سے مقامی آبادی کے باشندوں کو نوکریاں نہیں مل رہیں اور جو تارکینِ وطن ملازمتوں اور کاروبار پر قابض نہیں، وہ گھر بیٹھ کر ہماری محنت کا پھل ریاستی بہبود (state welfare) کی شکل میں حاصل کر رہے ہیں اور ان کا اصل مقصد ہی یورپ آکر ہمارے فلاحی نظام سے ناجائز فائدہ اُٹھانا ہے۔

اگرچہ ابتدا میں نشانہ خصوصی طور پر مسلمان نہ تھے مگر رفتہ رفتہ اشارے اسی جانب ہونے لگے۔ اس

ساری بحث میں اسلام میں عورت کا مقام' اسلام اور عدل اجتماعی' اسلام اور جمہوریت' جہاد اور بالآخر دہشت گردی جیسے موضوعات اور ان سے متعلق سوالات جابجا اُٹھائے گئے اور مسلمانوں کو تنقیص کا نشانہ بنایا گیا۔ عام آبادی میں خوف' خطرے اور تعصب و تحقیر کے جذبات نے جڑ پکڑی اور نتیجتاً آسٹریا میں ہائیڈر یورک (Haider Jorg) کی فریڈم پارٹی نے جس کی نازی ہمدردیاں مشہور ہیں' تارکان وطن دشمن (anti-immigration) پالیسی پر ۲۷ فی صد ووٹ حاصل کیے اور مخلوط حکومت قائم کی۔ یہی معاملہ ڈنمارک میں ڈینش پیپلز پارٹی کا ہوا جو ۱۲ فی صد ووٹ کے ساتھ ملک کی تیسری قوت بن کر اُبھری۔ بلجیم کی دائیں بازو کی پارٹی کو ۹.۹ فی صد' جرمنی میں ۳ فی صد' اٹلی میں ۴ فی صد' پرتگال میں ۹ فی صد' سوئٹزرلینڈ میں ۲۲.۵ فی صد ووٹ ملے۔ فرانس میں Jean-Marie Le Pen صدارتی انتخاب میں ۱۸ فی صد ووٹ لے کر دوسری پوزیشن پر آئے۔ ناروے میں پروگریس پارٹی نے پارلیمنٹ کی ۱۶۵ سیٹوں میں سے ۶۲ نشستیں حاصل کیں اور حکومت میں شریک ہوئی۔ اسی طرح ہالینڈ میں ہونے والے حالیہ انتخابات میں دائیں بازو کی جماعت نے اپنی پہلی انتخابی مہم ہی میں ۲۶ نشستیں حاصل کیں۔ پارٹی لیڈر Pim Fortuyn نے انتخابی مہم کے دوران اسلام کو ایک رجعت پسند دین قرار دیا جو فرد کے حقوق کو سلب کرتا ہے۔

مستقبل؟

۱۱ستمبر کے واقعے نے اسلام کے خلاف ایسے برملا اظہارِخیال کو جواز مہیا کر دیا ہے۔ ۱۱ستمبر کی ہولناکیوں کو اسلام اور مسلمانوں کے ساتھ منسوب کرنے سے یورپ کی فضا میں اسلام کے لیے جو خیرسگالی کے جذبات تھے اُن میں واضح طور پر کمی واقع ہوئی ہے اور توقع کی جاسکتی ہے کہ آیندہ انتخابات میں دائیں بازو کی تحریکوں کو مزید کامیابی حاصل ہوگی۔ امریکہ بھی' جو بین الاقوامی سیاست کے دھارے کو متعین کرتا ہے' اسی جانب پیش قدمی کر رہا ہے جس سے ان تحریکوں کو تقویت ملے گی۔ ایسی صورت حال میں یورپ کے مسلمانوں کو تین طرح کی صورت حال (scenarios) پیش آسکتی ہے۔

ایک امکان یہ ہے کہ مسلمانوں کو دوسرے درجے کا شہری بنا دیا جائے گا۔ عوامی دباؤ کے ذریعے مسلمانوں کو مجبور کیا جائے گا کہ اسلام سے برأت کا اعلان کریں۔ یہ بغاوت محض ارتداد کی شکل میں نہیں ہوگی بلکہ مختلف حربوں سے مجبور کیا جائے گا کہ خود اسلام میں تحریف کی جائے جس طرح عیسائیت میں کی گئی۔

دوسرا قوی امکان یہ ہے کہ جوں جوں بین الاقوامی سطح پر مسلمانوں کے خلاف مہم زور پکڑے توں توں تشدد کے ذریعے یورپ سے مسلمانوں کے اخراج کا سامان کیا جائے اور بالآخر مسلمانوں کو ایک قتل عام (holocaust) کا سامنا کرنا پڑے۔

تیسری صورت جو موجودہ صورت حال میں بظاہر تو بعید از قیاس معلوم ہوتی ہے' مگر ناممکن بھی نہیں ہے' اور وہ ہے: وَهُوَ الَّذِىْ يُنَزِّلُ الْغَيْثَ مِنْۢ بَعْدِ مَا قَنَطُوْا وَيَنْشُرُ رَحْمَتَهٗ ط (الشوریٰ ۴۲:۲۸) ''وہی ہے جو لوگوں کے مایوس ہو جانے کے بعد مینہ برساتا ہے اور اپنی رحمت پھیلا دیتا ہے''۔ اس نوید سے کچھ حوصلہ افزائی ملتی ہے کہ یورپ اسلام کی دعوت کو قبول کر کے اس کا قلعہ بنے گا۔

پہلی صورت اس پہلو سے بڑی خطرناک ہے کہ تاریخی اعتبار سے کسی بھی مسلم ریاست نے دین میں تحریف اور ارتداد کو برداشت نہیں کیا اور نہ آیندہ ہی ایسی تحریکوں کو مسلم ممالک میں کوئی قابلِ ذکر مقبولیت حاصل ہونے کی توقع ہے۔ خود پاکستان میں قادیانیت و انکارِ حدیث کے فتنوں کو تمام تر کوششوں کے باوجود عوامی تائید حاصل نہ ہونے پائی۔ لیکن یورپ جو غیر مسلم معاشرہ ہے' وہاں یہ کام اسلام دشمن قوتوں کے تعاون وسرپرستی سے یا پھر احساسِ کمتری کا شکار ہو کر مسلمان ممالک میں برآمد کیے جانے کا خطرہ ہے۔ اس طرح نہ صرف یورپ میں بلکہ پوری دنیا میں اسلامی بنیادوں کو ہلا کر رکھ دیا جائے گا اور مغربی استعمار کے ایک نئے دور کا آغاز ہوگا۔

اگرچہ اکثر و بیشتر مسلمان ۱۱ستمبر سے قبل 'قتل عام' کا کوئی امکان نہ سمجھتے تھے لیکن اب ایسا معاملہ نہیں رہا۔ ماحول اس کے لیے سازگار بنایا جا رہا ہے۔ ابھی سے ہی جمہوریت اور انسانی حقوق کے اصولوں پر بھی نظرثانی کی جا رہی ہے تاکہ مسلمانوں کا خون حلال کیا جا سکے۔ ایسی صورت پیش آنے میں ابھی وقت ہے' تاہم اس خطرے کو نظرانداز کرنا حماقت ہوگی کیونکہ یورپ کی تاریخ میں اس کی متعدد نظیریں موجود ہیں۔

تیسری صورت وہ ہے جس کی طرف حددرجہ غیر متوقع ہونے کے باوجود مسلمانوں کو پیش رفت کرنے کی ضرورت ہے کیونکہ ڈیڑھ' دو کروڑ مسلمان یورپ سے ہجرت کر سکتے ہیں نہ مستقبل قریب ہی میں بلادِ اسلامی کو اتنی قوت حاصل ہوتی ہوئی نظر آتی ہے کہ وہ یورپ میں مسلم اقلیت کے تحفظ کا سامان کر سکیں۔

مجوزہ لائحہ عمل

لہٰذا ۱۱ستمبر کی روشنی میں' تاریخ سے عبرت پکڑ کر اپنا محاسبہ کرتے ہوئے درپیش چیلنج کا جائزہ لینے کے بعد لائحہ عمل وضع کرنے کی ضرورت ہے۔ اس کے راہنما خطوط یہ ہو سکتے ہیں:

۱- مسلمانوں کو یہ جان لینا چاہیے کہ سیاسی اقتدار' عسکری قوت یا معاشی خوش حالی ہمارے مقاصد نہیں بلکہ تکمیلِ ایمان کے ذرائع ہیں۔ مقصد اللہ کی رضا اور اُس کے ذریعے جنت کا حصول ہے۔

۲- یہ بنیادی بات سمجھ لینے کی ضرورت ہے کہ اسلام کسی جغرافیائی حدود کا پابند نہیں۔ اسلام اور مغرب کے ناگزیر ہونے کا تصور ہمارا نہیں' نہ ہمیں اس کی خواہش ہی ہونی چاہیے۔ اگر کوئی تصادم ناگزیر ہے

تو وہ اسلام اور کفر و جاہلیت اور ظلم کا ہے۔ اگر آج لاہور و بغداد مسلم ہیں تو کل تک دہلی و قرطبہ بھی مومن تھے' مگر آج نہیں۔ اسی طرح اگر آج کعبۃ اللہ توحید کا پیکر ہے تو کبھی بت کدہ تھا۔ حالات ایک جیسے نہیں رہتے۔

اسلام کسی ایک قوم' رنگ ونسل کی ملک نہیں۔ اسلام دلوں میں بستا ہے۔ جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خون کے پیاسے ہو سکتے ہیں وہ کل کو فاروق اعظمؓ بھی کہلا سکتے ہیں۔ ہمارا کام لوگوں کو جہنم کا ایندھن بننے سے بچانا ہے نہ کہ اُن کا خاتمہ۔ اگر ہم اس بنیادی وکلیدی پہلو کو مدنظر رکھیں اور اپنے اندر یہ احساس پیدا کریں کہ ہم رسولِ رحمتؐ کے اُمتی ہیں تو ہمارے دین کا تقاضا ہے کہ مغرب کے تمام بش' بلیئر' پاول و کسنجر حلقہ بگوش اسلام ہوں۔ مگر یہ صرف اُسی جذبۂ محبت و اصلاح' عفو و درگزر اور تڑپ سے ممکن ہے جو آنحضورؐ کا شیوہ تھا۔ اس فہم وشعور اور اس کے مقتضیات کو سمجھے بغیر تمام مساعی لاحاصل ہیں۔

۳- اسلام عدل کا علم بردار ہے اور مسلمانوں سے تقاضا کرتا ہے کہ وہ عدل کریں۔ یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کُوْنُوْا قَوّٰمِیْنَ بِالْقِسْطِ شُھَدَآءَ لِلّٰہِ وَلَوْ عَلٰٓی اَنْفُسِکُمْ اَوِالْوَالِدَیْنِ وَالْاَقْرَبِیْنَ ج (النساء ۴:۱۳۵) وہ امانت دار ہوں۔ اِنَّ اللّٰہَ یَاْمُرُکُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰٓی اَھْلِھَا وَاِذَا حَکَمْتُمْ بَیْنَ النَّاسِ اَنْ تَحْکُمُوْا بِالْعَدْلِ ط (۴:۵۸) اور معاشرے میں تعمیری وفعال کردار ادا کریں۔ یورپ کے مسلمانوں کے لیے یہ بات نہایت اہم ہے کیونکہ ماضی کا تجربہ یہ بتاتا ہے کہ مسلم آبادی الگ تھلگ رہتی ہے اور تحفظ ایمانی کی آڑ میں مقامی باشندوں سے گھلنے ملنے سے گریزاں ہے۔ اس سے غلط فہمیاں جنم لیتی ہیں اور سوے ظن پھیلتا ہے۔ اس کیفیت سے نہ صرف یورپ کے مسلمانوں کو نقصان پہنچتا ہے بلکہ مسلم ممالک کی آبادیاں بھی نقصان اٹھاتی ہیں۔ دوسری جانب مسلم ممالک میں بھی اس سے ملتی جلتی کیفیات پائی جاتی ہیں جو نوآبادیاتی دور کا منطقی نتیجہ ہے۔ مغرب سے تنفر کے جذبات اس نوعیت کے ہیں کہ مسلم ممالک کے عوام نے بحیثیت مجموعی ۱۱ ستمبر کے واقعے کے بعد مَنْ قَتَلَ نَفْسًا م بِغَیْرِ نَفْسٍ اَوْ فَسَادٍ فِی الْاَرْضِ فَکَاَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِیْعًا ط (المائدہ ۵:۳۲) کے سبق کو بھلا دیا اور اس سانحے پر غم کے بجاے خوشی کا اظہار کیا۔ تمام ممالک میں نکالے جانے والے مظاہروں اور جلوسوں میں مغرب کے خلاف جو جذباتی نعرہ بازی ہوتی ہے اور سیاسی رہنماؤں کے پتلوں کو نذرِ آتش کیا جاتا ہے' ایسے واقعات یورپ ہی نہیں بلکہ بقیہ ساری دنیا میں اسلام ومسلمانوں کو ایک غیر روادار شر تصور کرنے کا باعث بنتے ہیں اور اس کا خمیازہ سب سے بڑھ کر یورپ کے مسلمانوں اور فلسطین کے حریت پسندوں کو بھگتنا پڑتا ہے۔ اگر سوچ محدود نہ ہو اور قومی مفاد سے بالاتر ہو تو اس تصور (image) اور اس سے پیدا ہونے والے مسائل سے کافی حد تک نجات کی اُمید کی جاسکتی ہے۔

۴- بلادِ اسلامیہ کے مسلمانوں' مفکرین' صحافیوں' ریاستی وحکومتی ذمہ داروں اور اسلامی احیائی

تحریکوں کے کارکنوں اور قیادت کو پالیسی سازی کے وقت اور بیانات دیتے ہوئے مغرب بالخصوص یورپ میں بسنے والے مسلمانوں کے مسائل و حالات کو ملحوظ خاطر رکھنے کی اور اُن سے مشاورت کی ضرورت ہے تاکہ اسلام کی تعلیمات و تصورات کو بدعات و سیئات سے پاک کر کے پیش کرنے میں آسانی ہو۔

یہ وہ چار بنیادی اصول ہیں جن کو اپنا کر یورپ میں مسلمانوں کا تحفظ ہو سکتا ہے اور عالمی سطح پر اسلام کی نشاتِ ثانیہ کی اُمید کی جا سکتی ہے۔ موجودہ تہذیبی کش مکش میں یورپ کے مسلمانوں کا کردار کلیدی ہے اور اُن کو نظرانداز کر کے یہ معرکہ سر کرنا ناممکن ہے۔ یورپ کے عوام خود امریکہ کی بالادستی سے بیزار ہیں۔ اگر اُن کی طرف ہاتھ بڑھایا جائے تو دعوت کے دروازے کھلتے چلے جائیں گے جس سے بالآخر امریکہ کے رویے میں بھی تبدیلی آئے گی۔ وَلَا تَهِنُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ○ (اٰل عمران ۳:۱۳۹)

اللہ کے قرب کے حصول کے لیے

رمضان المبارک کے خصوصی تحائف

آپ کے لیے، آپ کے اعزہ و اقارب کے لیے

خود پڑھیے --- تقسیم کیجیے

تحفہ رمضان	۳۰ روپے
ہدیہ رمضان	۱۶ روپے
توشہ رمضان	۲۲ روپے
سوغات رمضان	۳۲ روپے

اس سال کے نئے تحفے

خزینہ رمضان

ہدیہ: ۲۵ روپے

ڈی لکس رمضان سیٹ

(10 منتخب کتابچے) ہدیہ: ۳۲۰ روپے

اسلامی روایات کے حامل

رمضان کارڈ، عید کارڈ

آج ہی آرڈر دیں تاکہ بروقت ترسیل ممکن ہو

منشورات، منصورہ، ملتان روڈ، لاہور۔ فون: 5425356 فیکس: 5432194

کراچی: ڈیسنٹ بک پوائنٹ، A/57، بلاک 5، گلشن اقبال-75300 فون: 4967661

الفرقان الجزء الاول - ترتیب و تہذیب: شیخ عمر فاروق۔ پہلے پارے کا بامحاورہ ترجمہ اور مختصر تشریح مع عربی گرامر صفحہ ۳۱۳ تک۔ باقی ۱۹۰ صفحات میں قرآن کے حوالے سے ۱۶ مضامین بہ شمول قرآنی دعائیں۔ مجلد، عمدہ کاغذ، معیاری طباعت۔ وقف للہ تعالیٰ۔ خواہش مند مصنف سے رابطہ کریں۔ ۱۵/بی، وحدت کالونی، لاہور۔